# جدید اُردو غزل میں روایت شکنی اور تخلیقی امکانات

# Tradition-Breaking and Creative Possibilities in Modern Urdu Ghazal

**ڈاکٹر محمد شوکت علی**

پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلوشپ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

**Abstract:**

The contemporary Urdu ghazal has evolved into a dynamic literary genre that sustains its classical legacy while actively engaging with modern intellectual and cultural realities. In the context of the twenty-first century, the ghazal is no longer limited to themes of love, beauty, and romantic longing; instead, it has broadened its scope to encompass significant social, political, cultural, and existential issues. Modern ghazal poets increasingly address concerns such as alienation, identity crises, social injustice, political instability, globalization, digital culture, and postmodern thought, thereby enriching the thematic range of the genre. Alongside this thematic expansion, the ghazal has also undergone notable stylistic transformation. While classical imagery, symbols, and metaphors continue to provide structural continuity, they are now reinterpreted through contemporary idioms, colloquial diction, narrative tones, and experimental poetic strategies. This synthesis of tradition and innovation has enabled the ghazal to remain a living and responsive form of expression. The present study explores how the contemporary Urdu ghazal negotiates continuity and change, preserving its aesthetic foundations while adapting to evolving cultural and intellectual discourses. In this way, the modern ghazal emerges as both a resilient literary tradition and a reflective medium of contemporary sensibility.

**Keywords:** Contemporary Urdu Ghazal, Modern Poetic Trends, Tradition and Innovation, Thematic Expansion, Stylistic Experimentation, Cultural Transformation

غزل اُردو شاعری کی سب سے مقبول اور دل نشین صنف ہے جس نے اپنی نغمگی، دلکشی اور اثر انگیزی کے سبب ہر دور میں ادبی منظرنامے پر نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ یہ صنف نہ صرف اہلِ ذوق میں بلکہ عوام الناس میں بھی یکساں طور پر پسند کی جاتی رہی ہے۔ ماضی سے لے کر حال تک غزل اپنی دل آویزی اور ہمہ جہتی کی وجہ سے ادبی ذوق رکھنے والوں کے دلوں پر سحر طاری کرتی آئی ہے۔ حسن و عشق، جذبات و احساسات اور محبوب سے متعلق تمام ترکیفیات اس صنف میں سمٹ آتی ہیں۔ اسی لیے اسے عشاق کی زبان اور دل کی ترجمان کہا جا سکتا ہے۔ غزل کی لغوی بنیاد عربی زبان میں ہے، جہاں اس کا مطلب "عورتوں سے باتیں کرنا" یا "عشق و محبت کی گفتگو کرنا" ہے۔ اس کے دائرۂ معنی میں راز و نیاز کی سرگوشیاں، ملنے اور بچھڑنے کے المیے، روٹھنے اور منانے کی کیفیتیں اور وعدہ و وفا کی کہانیاں سب شامل ہیں۔ اس طرح غزل محض عشقیہ جذبات کی عکاسی تک محدود نہیں بلکہ نسوانی حسن و جمال کی تعریف، عاشقانہ وارداتِ قلبی کا اظہار اور انسانی جذبات و احساسات کی نمائندگی کا مؤثر وسیلہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین نے اس کی تعریف مختلف پیرایوں میں کی ہے اور ہر عہد میں اسے نئے معانی عطا کیے گئے ہیں۔

غزل کے ارتقا کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو امیر خسرو کا نام سب سے پہلے ابھرتا ہے جنھوں نے شمالی ہند میں اس صنف کو نہایت فروغ دیا۔ بعد ازاں ولی کو اردو غزل کا باوا آدم تسلیم کیا گیا جنھوں نے پہلی مرتبہ اس صنف کو سربلندی عطا کی اور اسے مقامی فضا میں جِلا بخشی۔ محمد شاہی دور میں شیخ ظہور الدین اس صنف کے بڑے علم بردار کے طور پر سامنے آئے اور انھوں نے غزل کو مزید مضبوط

بنیادوں پر استوار کیا۔ میر اور درد نے اپنے انوکھے لب و لہجے اور سوز و گداز سے غزل کو نئی جہتیں عطا کیں، جبکہ مصحفی، آتش اور ناسخ نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ انیسویں صدی میں غالب، مومن، ذوق اور شیفتہ کی غزل نے اپنے عہد میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ غالب نے غزل کو محض عشقیہ جذبات کے اظہار تک محدود رکھنے کے بجائے فلسفیانہ تفکر، داخلی کرب اور وجودی سوالات کا آئینہ دار بنایا۔ مومن نے غزل میں عاشقانہ نزاکت اور نفسیاتی باریکیوں کو سمویا، ذوق نے دربار کے آہنگ میں اسے باندھا اور شیفتہ نے سادگی اور روانی کے ذریعے اسے نئی روح بخشی۔ یوں غزل کی روایت ہر دور میں نئے تجربات اور فکری جہات سے گزرتی رہی اور آج بھی اپنے سحر کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

اُردو غزل کی روایت میں جدید اردو غزل کا آغاز ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جدید اردو غزل میں متعدد موضوعاتی تبدیلیاں اور اضافے نظر آتے ہیں۔ اس دور کی غزل میں داخلی احساسات اور جذبوں کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جدید اردو غزل کے معمار اول مولانا الطاف حسین حالی کو شمار کیا جاتا ہے۔ حالی نے موضوع اور مضامین کے اعتبار سے غزل کو وسعتیں عطا کیں۔ حالی کے عہد میں اکبر نے بھی اردو غزل کے مضامین کا دائرہ وسیع کیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اردو غزل کے فروغ میں ان دو شعرا کا contribution اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی غزل گوئی نے غزل کا دامن بے حد وسیع کیا۔ حالی اور اکبر کے بعد اقبال نے اردو غزل کو جدت عطا کی۔ اقبال نے غزل میں مروجہ علامتیں اور کلاسیکی موضوعات کو ترک کر کے غزل کے لیے نئی علامتیں اور نئے موضوعات تلاش کیے۔ انھوں نے نئی تراکیب، نئے استعارے اور نئی تشبیہات متعارف کیں۔ اقبال کی اردو غزل موضوعات کے اعتبار سے زیادہ متنوع ہے۔ انھوں نے روایتی غزل کو ایک نئی راہ دکھائی۔ غزل کے بارے میں ابوالکلام قاسمی رقم طراز ہیں:

> "غزل، اردو شاعری کی تمام اصناف میں اس اعتبار سے ایک مختلف اور ممتاز صنفِ سخن ہے کہ غزل کی قدر و قیمت کا تعین صرف اس کے موضوع اور مواد کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ غزل کے علاوہ شاعری کی دوسری اصناف میں موضوع کی مرکزیت اور خیال کے تسلسل کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ ہیئت اور تکنیک کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی ہے۔ غزل کی صنف کا بنیادی انحصار چوں کہ ایک مخصوص اور متعین ہیئت پر ہوتا ہے اس لیے غزل کے شعروں کے موضوعات بھی ہیئت کے تابع جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں کسی خاص فکری رجحان کی نشاندہی کے معاملے میں غزل کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کیا جا سکتا جو شاعری کی دوسری اصناف، بالخصوص نظم کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔"(۱)

غزل کی شاعری میں فکر اور اسالیب کا تنوع ملتا ہے۔ فکری اور فنی اعتبار سے غزل کی پوری تاریخ میں ایک تسلسل ملتا ہے۔ داغ دہلوی شاہی خاندان سے جڑے بڑے مقبول غزل گو شاعر تھے۔ ان کے اشعار میں گفتگو کی روانی ہوتی ہے۔ اور یہ انداز بڑا ہی پر خلوص نظر آتا ہے۔ داغ کی غزلوں میں حسن اور عشق کے موضوعات عام ملتے ہیں۔ ان کی شوخی اور عاشق مزاجی ان کے اشعار میں جھلکتی ہے۔ ان کی غزل کا اسلوب انتہائی سادہ مگر فنی لحاظ سے بہت اعلا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

پیامی کامیاب آئے نہ آئے
خدا جانے جواب آئے نہ آئے

داغ کی غزلیں انسانیت اور حقیقت کی ترجمان ہیں۔ انھوں نے کوٹھے اور بازار کا ذکر بھی اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ان کے کلام میں موضوعات اور اسالیب کی رنگینی ملتی ہے۔ زبان کی لطافت اور خیالات کی رنگا رنگی کی وجہ سے داغ اردو غزل کے نمایندہ شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی دور میں امیر مینائی اور ان کے بے شمار شاگردوں نے غزل کو مقبول عام بنا دیا۔ اسی دور میں الطاف حسین حالی کی مقصدی شاعری کا آغاز ہوا۔ حالی کی شاعری موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے نئی آہٹ ہے۔ حالی غزل میں نیا شعور لائے۔ عالمی طور پر جو تبدیلیاں ہوئیں انھیں بھی شاعری کا حصہ بنایا۔

جدید اردو غزل کی روایت میں اقبال کی غزل اپنا الگ ڈکشن رکھتی ہے جو کہ روایتی لفظیات سے منفرد ہے۔ ان کا انداز غیر مقلدانہ نوعیت کا ہے۔ اقبال کی غزل سے ان کے ذہنی ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے ان کی غزل کا زمانہ انجمن پنجاب کی تحریک سے نمو پانے والی نظم کی روایت کے مقبول ہونے کا زمانہ ہے۔ ان سے قبل حالی نے بڑی حد تک غزل کی روایت میں تبدیلی کی۔ ایسی صورت حال میں اقبال کی غزل نے غزل کے احیا کا کام کیا۔ اقبال کے ساتھ ساتھ اصغر اور فانی نے بھی غزل کے موضوعات اور اسالیب میں روایتی انداز سے اجتناب برتا۔ اقبال نے بھی اس عہد میں اپنے لیے غزل کی مجتہدانہ روش اختیار کی ۔ سفر یورپ سے پہلے اقبال کا مزاج داغ، امیر مینائی اور اس قبیل کے دوسرے شعرا جیسا تھا لیکن بال جبریل کی غزلیں موضوعات اور اسالیب کے اعتبار سے ایک بڑی جہت کی حامل ہیں۔ اقبال نے ابتدائی دور میں روایت کا اثر قبول کیا اور بعد میں غزل کے موضوع اور اسلوب میں تبدیلی لے آئے۔ انھوں نے روایت کی تقلید اور انحراف بھی کیا۔ اقبال کی غزلوں کے موضوعات اور اسالیب کے بارے میں ابو الکلام لکھتے ہیں:

> ”غزل کی ہیئت کے معاملے میں اقبال کے اس شعوری انحراف اور غیر تقلیدی طریق کار کی توثیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ”بانگ درا“ کی غزلیں چوں کہ غزل کی ہیئتی روایت سے پوری طرح چھٹکارہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں، اس لیے ان میں بالعموم ردیف کا اہتمام ملتا ہے۔ مگر اپنے فکری اور فلسفیانہ نظام کی تشکیل کے مرکزی زمانے، سفر یورپ اور اس کے بعد کی غزلوں میں ردیف سے نجات حاصل کرنے اور قافیوں کی بنیاد پر غزل کے آہنگ کو قائم کرنے کا رجحان نمایاں ہے، اہم بات یہ ہے کہ اس آہنگ میں عربی شاعری کا آہنگ بھی شامل ہے جو ردیف کے استعمال سے مجروح ہو سکتا تھا اور صرف قافیوں کے باعث عربی آہنگ سے مماثلت کا زیادہ احساس دلاتا ہے۔ بانگ درا اور بال جبریل کی غزلوں کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے۔۔ کہ اقبال کے شعری اظہار میں وہ کون سے محرکات تھے جو بعد کے زمانے میں بالکل بدلی ہوئی فکر، غیر روایتی موضوعات اور شاعر کے طرز احساس کے ساتھ تصور کائنات کو نمایاں کرتے ہیں۔“(۲)

اقبال نے بانگ درا کی متعدد غزلوں میں استعارہ تخلیق کرنے کے بجائے تلمیح اور تمثیل کو استعارہ بنا دیا۔ اس شعر میں نمرود تلمیح ہے اور عشق، عقل، محو تماشا اور لب بام تلمیح تو تمثیل کی سطح تک لے جاتے ہیں۔ اس غزل میں اقبال پر روایتی اسلوب کے تتبع کا کوئی اثر نہیں ملتا۔ اقبال نے غزل میں نئے محاورے تلاش کیے، انھوں نے پرانی لفظیات سے نیا ڈکشن وضع کیا۔ انھوں نے اپنے گرد پھیلی ہوئی کائنات کو ایک علامتی انداز میں بیان کیا۔ اقبال کی غزل میں رمزیت اور تہہ داری کے متعدد نشانات ملتے ہیں۔ انھوں نے تلمیحات کو استعاراتی انداز میں استعمال کیا ہے۔

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ ورسم شاہ بازی

اقبال کی غزل موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے معاصر غزل سے منفرد ہے۔ انھوں نے موضوع اور اظہار واسلوب میں اپنا منفرد انداز شامل کیا ہے۔ اقبال کے بعد جدید اردو غزل کی روایت میں حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، اصغر گونڈوی اور فراق گورکھ پوری زیادہ اہم شاعر ہیں۔ حسرت نے غزل کی روایت کو اس وقت مستحکم کیا جب نظم گوئی ایک تحریک کا روپ اختیار کر چکی تھی۔ ہر غزل گو نظم کی طرف راغب ہو چکا تھا۔ حسرت جدید اردو غزل کے بڑے علم بردار تھے۔ انھوں نے غزل کے موضوعات اور اسالیب میں خالصتاً غزل کا اسلوب اختیار کیا۔ ان کی غزل میں نظم کا آہنگ نہیں کیوں کہ اردو کے متعدد شعرا کی شاعری کا مطالعہ کریں تو ان کی غزلیں بھی نظم کے انداز میں ہوتی ہیں۔ میرزا یاس یگانہ چنگیزی لکھنوی بھی اردو غزل کے بڑے اہم شاعر ہیں۔ فرق گورکھپوری کی غزل میں لفظی توازن بہت زیادہ ہے۔ ان کے اشعار میں معنی آفرینی اور کیفیت کو نیاز فتح پوری نے بھی سراہا ہے۔ ان کے کلام میں عاشق کی انفرادیت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ جو ان کے مخصوص اسلوب کا تعین کر دیتا ہے۔ ان کا محبوب بھی روایتی محبوب سے الگ ہے۔ فراق کے متعدد اشعار میں میر کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ ان کی غزلوں کا کوئی کوئی پہلو مقامی سرزمین اور ہندوستانی فضا سے مربوط ہوتا ہے۔ شکیل بدایونی ایک اہم شاعر تھے اگرچہ ان کی شہرت فلمی گیت نگاری کے حوالہ سے ہے لیکن وہ غزل کے ایک کامیاب شاعر بھی تھے۔ وہ اپنے ایک خاص ترنم کی وجہ سے مقبول بھی ہوئے۔ وہ غزل کے ایک باکمال شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں فطرت کی عکاسی ملتی ہے۔ وہ ولولوں اور جذبوں کے شاعر ہیں۔ اس ضمن میں ساحر لدھیانوی لکھتے ہیں:

> ”جگر اور فراق کے بعد آنے والی پود میں شکیل بدایونی واحد شاعر ہیں جنھوں نے اپنے فن کے لیے غزل کا میدان منتخب کیا دیم مگر جامع اور دلکش صنفِ سخن کو جس میں ہمارے ماضی کا بہترین ادبی اور تہذیبی اثاثہ محفوظ ہے۔ نہ صرف اپنایا ہے بلکہ اسے زندگی کے بدلتے ہوئے رجحانات اور جدید تصورات سے ہمکنار کر کے اس میں نئے رنگ بھی بھرے ہیں۔“(۳)

شکیل بدایونی اردو غزل کے صاحبِ اسلوب شاعر تھے ان کی غزل مختلف رنگ لیے ہوئے ہے۔ ان کی غزل میں غنائیت کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ شکیل کی ایک غزل کا اسلوب دیکھیے:

کہیں عشق کا تقاضا کہیں حسن کے اشارے
نہ بچا سکیں گے دامن غمِ زندگی کے مارے

شبِ غم کی تیرگی میں مری آہ کے شرارے
کبھی بن ہیں آنسو ، کبھی بن گئے ہیں تارے

مجروح سلطان پوری کی غزل تخیل کی ندرت اور قدیم وجدید کا توازن ہے۔ ان کے اشعار کیف وتاثر کے اعلا درجے پر فائز ہیں۔ ان کی غزلیں سماجی آگہی اور انقلاب وقت کی آواز ہیں۔ ان کی غزلوں میں آلام وروزگار جیسے مضامین بھی ملتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں معاشی استحصال کا شکار ہندوستان کے عوام کو دیکھا جاسکتا ہے۔ مجروح سلطان پوری کی شاعری کے بارے میں متین طارق باغپتی لکھتے ہیں:

> ”مجروح نے اس طرح اپنی حب الوطنی کے احساسات کا برملا اظہار کیا جس پر غزل کی روایات کا کینوس چھایا ہوا جو اپنی جگہ بڑا عظیم بڑا روقار اور بڑا بصیرت افروز ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ المیہ بھی جڑا ہوا ہے کہ انسان مادی حالات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اسے مجروح کے سامنے بھی غالباً یہ ہی منزل اچانک نمودار ہوئی اور وہ غزل کی دنیا سے گیتوں کی دنیا میں پہنچ گئے۔“(۴)

مجروح سلطان پوری ترقی پذیر احساسات اور زندگی کی سچائیوں کے شاعر ہیں۔ انھوں نے بڑے بیدار ذہن سے حقیقت نگاری کی ہے۔ مجروح نے ترقی پسند موضوعات کا استعمال کیا ہے اور غزل کی روایات اور فن کی پاسداری اور غزل کی ہیئت کو برقرار رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی ترقی پسند فکر، مشاہدات اور احساسات کو آداب کے ساتھ برتا ہے۔ انھوں نے اپنے خیالات کو انتہائی شائستگی، دلکشی اور خوب صورتی کے ساتھ الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں ہجرت اور فسادات سے پیدا ہونے والی افسردگی نے غزل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہجر، ہجرت اور فسادات کے موضوعات غزل میں در آئے۔ پاکستان میں پہلے سے مقیم شعرا اور ہجرت کر کے پاکستان آنے والے شعرا نے یکساں طور پر ہجرت اور فسادات کو موضوع بنایا۔ اس موضوع پر تین نسلوں تک شعرا نے لکھا۔ ناصر کاظمی کا شمار دوسری نسل کے شعرا میں ہوتا ہے۔ ناصر کاظمی اور چند دیگر شعرا میں تقلید میر کا ایک رجحان سامنے آیا۔ کیوں کہ میر کے عہد کی افراتفری اور ہجرت اور فسادات کے دور میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس بارے میں یوسف حسن لکھتے ہیں:

> ”مسلم قومی ریاست کے قیام کی خوشی کو بھی ہجرت اور فسادات سے پیدا ہونے والی افسردگی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ موضوعات غزل میں آئے تو اس میں بھی ایک بڑی المیہ لہر آ گئی۔ ہجرت کرنے والے تقریباً سبھی شعرا نے ان موضوعات کا اپنی اپنی غزلوں میں اظہار تو کیا ہی ہے۔ ان کے علاوہ پاکستان میں پہلے سے مقیم شاعروں نے بھی فسادات کو موضوع بنایا۔ ان موضوعات پر تینوں نسلوں کے شاعروں نے لکھا۔“(۵)

قیام پاکستان کے ابتدائی دور کی اردو غزل کا جائزہ لیا جائے تو اس دور کا غالب رجحان اور غزل کا اسلوب وہی تھا جو تقسیم سے پہلے سامنے آچکا تھا۔ اس دور کی غزل میں استعمال ہونے والے استعارے وہی ہیں جو آزادی سے پہلے کی اردو غزل میں نظر آتے ہیں۔ ترقی پسندوں نے زیادہ تر استعاراتی اور علامتی شاعری کو فروغ دیا۔ تقسیم کے بعد کی غزل میں چار قسم کے موضوعات ملتے ہیں۔ ان میں فسادات، انسانی جانوں کا ضیاع، دکھ اور غم کا اظہار۔ افسانے میں بھی اس کا اظہار کیا گیا۔ اور غزل گو شعرا نے بھی اس کا اظہار کیا ہے۔ دوسرا موضوع ہجرت کا دکھ ہے جو شاعری میں نمایاں ہوتا ہے۔ ہجرت کا موضوع غزل گو شعرا میں سب سے زیادہ ناصر کاظمی کے یہاں ملتا ہے۔

ناصر کاظمی کے غزل میں ماضی کی یاد ایک بنیادی موضوع کے طور پر ملتی ہے۔ تیسرا موضوع خوابوں اور آدرشوں کا ٹوٹنا ہے۔ ناصر کاظمی کی غزلوں میں معاصر حالات، جلی ہوئی بستیاں، سماجی مسائل، برباد اور لٹے ہوئے لوگوں کا غم نمایاں ہوتا ہے۔ ان کی غزل کا اسلوب بہت نازک اور لطیف ہے۔ انھوں نے انسانی جذبات واحساسات کو شاعری میں لطیف انداز میں بیان کر دیا ہے۔ ان کی

غزل جدید اردو غزل کا عمدہ نمونہ ہے۔ انھوں نے اس وقت غزل گوئی کی جب نظم کی تحریک عروج پر تھی۔ ناصر کاظمی نے غزل کو رفعت اور سربلندی عطا کی۔ اس دور کے اکثر شاعروں کی غزلوں میں مایوسی کا اظہار ملتا ہے۔ چوتھا موضوع خوش فہمی میں مبتلا لوگوں کا ہے جو ان تمام حالات کے باوجود جھوٹے خواب دیکھتے ہیں۔ جدید غزل کے حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

> ”ساٹھ کی دہائی تک روایت پرستی کا زور بہت کم ہو گیا تھا۔ ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کی نظریاتی بحثیں کمزور پڑ گئیں اور نئی نسل نے اعلانیہ خود کو غیر نظریاتی کہنا شروع کر دیا۔ فنی طور پر بھی روایتی بیانیہ اور سادہ انداز اپنی افادیت کھو بیٹھے چنانچہ علامت پسندی اور استعارہ سازی کے اس دور میں غزل نے اگرچہ اپنے روایتی ہیئتی ڈھانچے سے کوئی بڑا انحراف نہیں کیا لیکن اس کے موضوعات و لفظیات میں ایک نمایاں تبدیلی ہوئی اور کسی بندھے ٹکے نظریے کی بجائے ذات کے تشخص اور اندرونی شکست و ریخت کے مضامین نمایاں ہونے لگے۔“(۶)

موضوعاتی اعتبار سے غزل میں کئی رنگ شامل ہوئے ہیئت کے حوالے سے غزل میں کوئی واضح تبدیلی نہ آئی۔ بس زبان و بیان کا انداز مختلف ہے۔ غزل کے رجحانات اور میلانات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے گئے۔ رومانی غزل نگاروں میں حفیظ جالندھری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی غزلوں میں زندگی کے مادی ذروں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ ان کے شعری موضوعات میں خوشی، غم، نزاکت، لطافت، خود نظری، مسکراہٹ اور آنسو شامل ہیں۔ رومانیت اور حقیقت پسندی حفیظ کی غزلوں کا موضوع ہے۔ حفیظ کی رومانیت کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> ”حفیظ کی رومانیت کا عمدہ ترین اظہار ان کی غنائیت میں ہوا ہے۔ انھوں نے بحروں کے انتخاب اور الفاظ کی ترتیب سے آہنگ نغمہ پیدا کیا اور منظر کی رقصندہ کیفیت کو بھی نظم کی بنت میں شامل کر دیا۔ ان کی رومانیت کا ایک اور زاویہ ارضِ وطن کی محبت ظاہر ہوا ہے۔“(۷)

احسان دانش اردو غزل کے بڑے اہم شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں کی رومانوی بیلیں ان کی غربت سے پھوٹتی ہیں۔ ان کے اشعار میں مسرت کا عنصر کم نظر آتا ہے۔ ان کی غزل میں آہوں اور آنسوؤں کا ذکر بیشتر رومانی شعرا کی طرح کا ہے۔ لیکن احسان دانش کا انفراد یہ ہے کہ ان کے آنسو انسانی ہمدردی اور دردمندی کے وفور سے پیدا ہوئے ہیں۔ احسان دانش نے ماضی کی یادوں اور فطرت پرستی کا عکاسی بھی کی ہے۔ ان کی رومانیت مظاہر فطرت اور ان کے داخلی احساسات سے پھوٹی ہے۔ ابنِ انشا اہم اردو غزل گو شاعر تھے۔ انھوں نے گیت اور نظمیں بھی لکھیں لیکن ان کی غزل کا انداز بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی غزل روایت اور جدت کا خوب صورت امتزاج معلوم ہوتی ہے۔ ان پر میر کی تقلید کا گمان بھی ہوتا ہے۔ ان کی غزل کا اسلوب شگفتہ اور سادہ ہے۔ ان کی غزل رواں اور غنائیت سے مملو ہے۔

کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل تیرے پربت تیرے بستی تیری صحرا ترا

انشا کی غزلیں پاک و ہند میں بہت مقبول ہیں وہ دل کی بات کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی غزل کا رنگ عالمگیر ہے۔ انشا نے میر کی غزل کی اداس فضا سے الگ ہو کر ہنستی بولتی عشقیہ شاعری کی ہے۔ انشا جی نے اپنی غزلوں میں ہندی الفاظ بھی برتے ہیں۔ انشا کی غزلیں حقیقت کا دوسرا روپ ہیں۔ اس کی زبان و محاورات ہماری روزمرہ زندگی پر مبنی ہیں۔ ان کی غزلوں میں ہندی اور اردو کا خوب

صورت امتزاج ہے۔ خلیل الرحمن اعظمی اردو غزل کے ترقی پسند شاعر ہیں۔ انھوں نے جدید غزل میں اپنی نئی فکر شامل کی ہے۔ انھوں نے اپنی محبت کی کیفیت کو بھی غزل میں پیش کر دیا ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی اگرچہ اہم نظم نگار ہیں لیکن ان کی غزلیں اردو شاعری میں مقبول ہوئیں۔ فنی پختگی، سادگی، تازگی اور جدیدیت ان کی غزلوں کا وصف ہے۔

کہے گا دل تو میں پتھر کے پاؤں چوموں گا
زمانہ لاکھ کرے آ کے سنگ سار مجھے

زنجیر آنسوؤں کی کہاں ٹوٹ کر گری
وہ انتہائے غم کا سکوں کون لے گیا

خلیل الرحمٰن اعظمی کی غزل میں خود کلامی، اداسی اور غم کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا لہجہ روح تک اتر جاتا ہے۔

تم نے بھلا دیا تو نئی بات کیا ہوئی
رہتی ہیں یاد کس کو وفا کی کہانیاں

خلیل الرحمٰن اعظمی کی آواز، ان کا لہجہ اور آہنگ نیا ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے مسائل اور معاملات کو شعری پیکر میں ڈھال دیا ہے۔ ان کی غزل بلیغ اور لطیف ہے اور اس میں سوز ساز کی کئی داستانیں سمائی ہوئی ہیں۔ ان کی غزل کے زیادہ تر موضوعات ترقی پسند فکر کے حامل ہیں۔ شاد عارفی بلاشبہ ایک اچھے غزل گو ہیں۔ انھوں نے انسان اور زندگی کے حسن کو بیان کرتے ہوئے زندگی کو بدصورت اور بدکردار بنانے والے لوگوں پر بھی لکھا ہے۔ انھوں نے سیاسی موضوعات کے علاوہ عشقیہ تصور اور سماجی مسائل کا ذکر بھی کیا ہے۔ تلخی، بیباکی اور شاد عارفی کی غزلوں کا بنیادی حوالہ ہے۔ انھوں نے ترنم، آہنگ، لَے اور غنائیت سے الگ ہو کر تلخ اور تیکھے لہجے میں شعر گوئی کی ہے۔ شاد عارفی نے اپنی غزلوں میں زندگی کے بدلتے ہوئے حالات کی عکاسی کی ہے۔ ان کا لہجہ اور طرز بیان بیباک ہے۔ ان کی شاعری میں شدید جذباتی اضطراب ملتا ہے۔ شاد عارفی کے بارے میں ڈاکٹر راحت بدر لکھتے ہیں:

> ”شاد عارفی نے زندگی میں بہت سی دشواریوں اور غموں کا سامنا کیا۔ جب وہ چالیس سال کے تھے تب ان کی شادی ہوئی اور ڈیڑھ سال کے بعد ہی ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ رشتہ داروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اس غم نے ان کی صحت خراب کر دی۔ مزاج کے اعتبار سے بہت خوددار تھے۔ انہیں پریشانیوں کی وجہ سے ان کی شاعری میں طنز پیدا ہوا۔ زندگی کے کئی سال مفلسی اور بے روزگاری میں گزارنے کی وجہ سے بھی شاعری میں تلخی نظر آتی ہے۔“(۸)

شاد عارفی کی غزل میں جارحانہ پن نمایاں ملتا ہے۔ ان کی غزلیں بڑی بے ساختہ ہیں۔ منیر نیازی جدید اردو غزل کے بڑے اہم شاعر ہیں۔ ان کی غزل کا اختصاص ان کی محاکات نگاری ہے۔ ان کا انفرادیہ ہے کہ وہ دو مصرعوں میں کہانی مکمل کر دیتے ہیں۔ ان کی غزلیں تازہ افکار کی حامل ہیں اور بڑے لطیف پیرائے میں کہی گئی ہیں۔ منیر نیازی کی غزل کی ہنرمندی قابل ستائش ہے۔ وہ لطیف اور جواں جذبوں کے شاعر ہیں۔ منیر نیازی کی غزل کی زبان و بیان سادہ اور عام فہم ہے ان میں عصری مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کی غزلوں میں شائستگی اور جمالیاتی آہنگ بہت زیادہ ہے۔ احمد ندیم قاسمی جدید اردو غزل کے بڑے اہم شاعر ہیں۔ ان کی غزل اسلوب اور موضوع دونوں اعتبار سے قابل داد ہے۔ ندیم کی غزلیں سماجی مسائل اور عصری شعور کی آئینہ دار ہیں۔ ان کی غزل بلاشبہ اردو کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہے۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

احمد فراز کی غزل رومانی ہے اس میں معاصر مسائل کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کی کئی غزلوں میں غزل مسلسل کا انداز پایا جاتا ہے۔ اور غزل کا یہ اسلوب قدیم ہے لیکن فراز نے اس میں نیا رنگ استعمال کیا ہے۔ فراز کی غزلوں میں سما باندھنے والی کیفیت پائی جاتی ہے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

غالب، مومن، حسرت اور فراق جیسے شعرا کے یہاں بھی ایک ہی موڈ کی مسلسل غزلیں ملتی ہیں۔ ایک کیفیت کو کئی بار شعر میں ڈھالنے کی کیفیت احمد فراز کی غزلوں میں نظر آتی ہے۔ اگر ایک کیفیت کو کئی بار شعر ڈھالنے کی روایت ختم ہو جائے تو مضامین کب کے ختم ہو جاتے۔ حسن، عشق، تصوف اور رندی و مستی جیسے موضوعات کو غزل کے ہر شاعر نے اپنے اپنے طور پر برتا ہے۔ ایک موضوع کو طویل اور مسلسل کا رنگ دینے میں احمد فراز کامیاب نظر آتے ہیں۔

بشیر بدر اردو کے بے حد محبوب غزل گو ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں اداسی اور رات کا عنصر نمایاں انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں زیادہ تر رات کی خنکی، چاندنی اور جھلمل کرتے تاروں کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے لفظ گاؤں کا استعمال بھی غزل میں کیا ہے ان سے پہلے غزل میں لفظ گاؤں کم استعمال ہوتا تھا۔ ان کی غزلوں میں یاد کا ذکر بھی بار بار ملتا ہے۔

یاد جب گھر کی کبھی آتی ہے تو لگتا ہے
رات کی راہ میں شیشے کا مکان روشن ہے

بشیر بدر درد مند شاعر ہیں۔ ان کی شاعری انسان دوستی اور زندگی کی عکاس ہے۔ بشیر بدر کے کئی اشعار سادہ زبان، سہل پسندی، گہرائی اور معنویت کے لحاظ سے بے حد مقبول ہوئے۔ بشیر بدر کی غزل میں اچھوتے مضامین اور جدید زندگی کے تمام پہلوؤں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے سماجی رویوں اور زندگی کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ شہریار نے نئے نئے موضوعات کو شاعری میں ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں انھوں نے آج کے حالات کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ غزل میں پیش کر دیا ہے۔ وہ بڑی لطیف انداز میں غیر محسوس طریقے سے اپنے داخلی احساسات کو اشعار میں بیان کر جاتے ہیں۔ ان کے اشعار میں عہد جدید کی منظر نگاری لگتے ہیں۔ ان کا اسلوب اور موضوعات نئے ہیں۔

جب بھی ملتی ہے مجھے اجنبی لگتی کیوں ہے
زندگی روز نئے رنگ بدلتی کیوں ہے

شہریار کی غزل میں جدید موضوعات ملتے ہیں ان کا لہجہ بڑا سادہ اور بلیغ ہے۔ ظفر اقبال جدید اردو غزل کے اہم شاعر مانے جاتے ہیں۔ انھوں نے غزل کی روایت کے باوجود نئے انداز کو اپنایا۔ ان کی غزل نئے مزاج، نئی معنویت اور نئے موضوعات کی حامل ہے۔ انھوں نے جدیدیت کے باوجود اردو غزل کا معیار بھی قائم رکھا۔

میں بکھر جاؤں گا زنجیر کی کڑیوں کی طرح
اور اس دشت میں رہ جائے گی جھنکار مری

شکیب جلالی نے جدید غزل اپنے انداز سے کہی ہے۔ انھوں نے جدید غزل اس طرح سے کہی:

ہر چند جل کے راکھ ہی ہونا ہے راہ میں
جلتے ہوئے پروں سے اڑا ہوں مجھے بھی دیکھ

ادا جعفری کی غزلوں میں انسانیت کا ذکر ملتا ہے، وہ جدید لہجے کی شاعرہ ہیں۔ انھوں نے الفاظ کو لطافت اور بے حد خوب صورتی کے ساتھ برتا ہے۔ وہ فنی باریکیوں کو سمجھتی ہیں۔ انھوں نے تمام موضوعات کو شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ وہ نرم اور ملائم لہجے میں شعر کہتی ہیں۔ اور کئی اشعار میں انسانی مسائل کو بیان کرتی ہیں۔ ڈاکٹر راحت بدر اس ضمن میں کہتے ہیں:

"ادا جعفری کی غزل میں نسائیت کے ساتھ حوصلہ، سعادت مندی، شوخی، عشق سبھی کچھ پایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ادا جعفری کی غزلیں سہل زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ نسوانی جذبات سے بھرپور ہیں۔"(۹)

ادا جعفری کے اشعار میں قاری خود شاعرہ کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ انھوں نے فراق اور فیض کے دور میں غزل گوئی کی ہے اور اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔

صبح زنداں میں بھی ہوتی ہو گی
پھول مقتل میں بھی کھلتے ہوں گے

کشور ناہید نسوانی غزل کی اہم شاعرہ ہیں۔ ان کی فکر مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ ان کے اشعار میں محبت کا اظہار انتہائی دلکش ہے اور انسانی جذبے دھڑکتے ہیں۔ وہ محبت کے جواب میں سچی محبت چاہتی ہیں۔

وہ اجنبی تھا پھر بھی لگا آشنا مجھے
کس سمت لے چلا ہے نیا حادثہ مجھے

کشور ناہید محبت کے بدلے محبت کی قائل ہیں۔ انھوں نے مشرقی لڑکی کی بعض خاندانی مجبوریوں اور روایات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ نئے دور کے لڑکے اور لڑکیاں زندگی کو محبت اور حسین انداز سے بسر کرنا چاہتے ہیں جب کہ انھیں سماجی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کشور ناہید نے اس طرح موضوعات بھی اپنے اشعار میں پیش کیے ہیں۔ ان کی شاعری میں لطافت، شگفتگی اور داخلی کیفیت نمایاں ہے۔ پروین شاکر بھی اردو غزل کی نمایندہ شاعرہ ہیں۔ انھوں نے روایت سے انحراف کرتے ہوئے واضح انداز میں عورت کے تجربات کی تشہیر وترجمانی کی ہے۔ ان کی غزل میں نئی امیجری نظر آتی ہے۔

پروین شاکر کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے ابتدا ہی سے غزل کی کلاسیکی روایت کو گہرائی سے برتا اور اس کے بنیادی سانچوں کا بھرپور مطالعہ کیا۔ تاہم انہوں نے محض تقلید پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی شاعری کی زبان وبیان کو اپنے عہد کی ضرورتوں اور سماجی تناظر کے مطابق ڈھالا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل نے اپنے زمانے میں نہ صرف وقار حاصل کیا بلکہ قارئین اور ناقدین دونوں کی

توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ پروین شاکر فطری طور پر ایک بڑی شاعرہ تھیں جن کے فکر و فن کو بلند پایہ شاعری کے کلام کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان کی غزل ندرتِ خیال، تازگیِ احساس اور اندرونی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔

پروین شاکر کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے عورت کے جذباتی اور نفسیاتی رویّوں کو بے حد باریک بینی کے ساتھ غزل میں سمویا۔ وہ کبھی ایک معصوم اور کنواری لڑکی کی صورت نظر آتی ہیں، کبھی ایک باوقار اور سمجھ دار عورت کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور کبھی ایک شوہر پرست بیوی کی صورت اپنی ذات کو منکشف کرتی ہیں۔ ان کی غزل عورت کی داخلی کیفیات اور عمر کے مختلف مدارج میں اس کے ذہنی و جذباتی سفر کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ یوں پروین شاکر نے اردو غزل کو ایک نئی نسائی آواز عطا کی جس نے نہ صرف عورت کے کرب اور خوشی کو الفاظ دیے بلکہ اس کی داخلی دنیا کو ادبی سطح پر اجاگر کیا۔ پروین شاکر کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے دیگر اہم شعرا نے بھی اردو غزل کو اپنے اپنے اسلوب اور فکر سے جِلا بخشی ہے۔ ان کی غزلوں میں نئے دور کے تقاضوں کے مطابق موضوعات کی رنگارنگی دکھائی دیتی ہے۔ یہ شعرا جدید لفظیات، علامتی اظہار اور منفرد اسلوب کے ذریعے غزل کو نہ صرف نئے مضامین سے ہمکنار کر رہے ہیں بلکہ اس کے روایتی حسن کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں محبت، تنہائی، سماجی جبر، عالمی مسائل اور فرد کی داخلی کشمکش جیسے موضوعات نہایت مؤثر انداز میں جلوہ گر ہیں۔ ان معاصر شعرا نے اپنے فن کے ذریعے اردو غزل کے سرمایے میں گراں قدر اضافہ کیا ہے اور اسے ایک ایسے ادبی سفر پر گامزن کیا ہے جو روایت اور جدت دونوں کو یکساں طور پر ساتھ لیے ہوئے ہے۔

تقسیم ہند کے بعد ابتدائی دو تین دہائیوں میں نمایاں ہونے والی غزل نے جدید اردو غزل نگاروں کے لیے رجحان قائم کیا ہے۔ اس دور کے اہم غزل گو شعرا میں تابش دہلوی، حفیظ ہوشیارپوری، مختار صدیقی، حبیب جالب، خورشید رضوی، رام ریاض، احمد مشتاق، اسلم انصاری، شہزاد احمد اور امجد اسلام امجد شامل ہیں۔ ان شعرا نے اپنا اسلوب اور نئے موضوعات غزل میں متحرک کر دیے ہیں۔ ہندوستان میں ندا فاضلی، مظہر امام، راجندر منچندا بانی، مظفر حنفی، اختر نظمی، کیف بھوپالی، ظفر گورکھپوری، منور رانا، رفعت سروش، راحت اندوری، وسیم بریلوی اور اقبال مسعود جیسے غزل گو شعرا نے جدید اردو غزل کا کینوس وسیع کیا ہے۔ اکیسویں صدی تک آتے آتے جدید اردو غزل نے کئی کروٹیں بدلی ہیں۔ عصر حاضر کی غزل موضوعات اور اسالیب کے اعتبار سے کئی رنگ لیے ہوئے ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ ابوالکلام قاسمی، شاعری کی تنقید، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۰۸

۲۔ ایضاً، ص: ۸۴، ۸۳

۳۔ ساحر لدھیانوی، دیباچہ، کلیاتِ شکیل بدایونی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۱

۴۔ متین طارق باغپتی۔ اُردو شاعری کے روشن چراغ، دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۱، ص: ۱۰۶

۵۔ یوسف حسن، مضمون، مشمولہ، پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، راولپنڈی، ۱۴۰ گلنار کالونی، ۱۹۹۷ء، ص: ۶۰

۶۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب رویے اور رجحانات، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص: ۴۹

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۵ء، ص: ۴۴۶

۸۔ راحت بدر، ڈاکٹر، جدید اُردو غزل ۱۹۷۰ء سے ۲۰۱۰ء تک، نئی دہلی، ایم آر پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۱۰

۹۔ ایضاً، ص: ۲۱۴